© rasailojaraid.com

بحث و نظر

عظمتِ قرآن کے بعض پہلو

پروفیسر سید مسعود احمد

قرآن مجید اپنی امتیازی خصوصیات کی روشنی میں یکتا صفات کی حامل کتاب ہے۔ یہ سلسلۂ ہدایتِ الٰہی کی آخری کڑی، دنیائے انسانیت کی حقیقی کام یابی کا منشور، کائنات کی سب سے بڑی نعمت، قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کے حل کی شاہ کلید، انسانوں کے حقیقی امن وسکون کی ضامن، صدیوں تک موحدین و متقین کی آرزوؤں اور دعاؤں کا مطلوب ومقصود، تکمیل دین اور اتمامِ نعمتِ خداوندی کا مظہر اور سب سے بڑھ کر زندۂ جاوید اور دائمی معجزہ ہے۔ یہ کلام امیین کے درمیان، نبی امی پر، عربی مبین میں، اہتمام کے ساتھ شب قدر میں نازل ہوا، جس کے امتیازی اوصاف کی ایک جھلک امام سلف علامہ ابن کثیرؒ کے اظہار بیان میں دیکھی جا سکتی ہے۔ فرمایا:

> ”اُنْزِلَ اَشْرَفُ الْکُتُبِ بِاَشْرَفِ اللُّغاتِ علیٰ اَشْرَفِ الرُّسُلِ بِسِفَارَةِ اَشْرَفِ الْمَلٰئِکَةِ ،وَکَانَ ذٰلِکَ فِی اَشْرَفِ بِقَاعِ الْاَرْضِ ،وَابْتَدَاءُ اِنْزالِهٖ فِیْ اَشْرَفِ شُهُورِ السَّنَةِ وَهُوَ رَمَضان ،فَکَمُلَ مِنْ کُلِّ الوُجُوهِ“[۱]
>
> ”سب سے فضیلت والی کتاب، بہترین زبان میں، سب سے عظیم پیغمبر پر، فرشتوں کے سردار کے واسطے سے، روئے زمین کے سب سے بابرکت حصے پر نازل ہوئی اور اس کے نزول کا آغاز سال کے سب سے فضیلت والے مہینے رمضان میں ہوا۔ اس طرح تمام پہلوؤں سے اس کی تکمیل ہوئی“۔

اس مضمون میں اس پہلو سے دعوتِ غور و فکر دی گئی ہے کہ قرآن کی عظمت و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعجاز کو اس کے احوال و ظروف سے بھی سمجھا اور پرکھا جا سکتا ہے، جو کلام الٰہی کے اہتمامِ نزول کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایتِ عامہ اور ہدایتِ تامّہ کی ترسیل کے لیے لسانی ظرف 'عربی مبین' کو منتخب کیا، اس کو قلبِ محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر القا کیا، جزیرۃ العرب میں نازل فرما کر امیینِ مکہ کو اس کا پہلا مخاطب بنایا، اس کو تاریخ انسانی کے مخصوص زمانہ کے ماہ رمضان المبارک کی ایک شبِ قدر میں نازل فرمایا۔ جب تقدیر الٰہی میں اس کلام کو زندۂ جاوید معجزہ بنانا طے تھا تو اس کے لیے ایسے ہی مہتم بالشان ظروف (Vessels) بھی منتخب کیے گئے اور ان کے بنانے اور سنوارنے کے لیے خصوصی اہتمام کیا گیا۔ آئندہ سطور ہم لسانی ظرف، یعنی عربی مبین کے امتیازی اوصاف پر قدرے تفصیل سے نظر ڈالتے ہوئے دیگر معنوی اور زمانی و مکانی ظروف کا اجمالی جائزہ پیش کریں گے۔

قرآناً عربیاً کی تعبیر

عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید عربی زبان ہی میں نازل ہونا چاہیئے تھا، کیوں کہ آپؐ اور آپ کی قوم کی زبان عربی تھی۔ مگر یہ بات اتنی سادہ نہیں ہے۔ مفکرین کے نزدیک قرآن مجید میں 'قرآناً عربیاً' کی اصطلاح بہت گہرے معانی پر دلالت کرتی ہے۔ ذیل میں ان آیات کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے، تاکہ قرآن مجید کے اس لسانی ظرف کی عظمت و اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (یوسف:۲)

"ہم نے اس کو عربی قرآن بنا کر نازل فرمایا ہے کہ تم سمجھ سکو"۔

اس آیت کا تعلق 'احسن القصص' (یوسف: ۴) سے ہے، جو عربی زبان کی ادبی فصاحت و بلاغت کی طرف اشارہ ہے۔ اس حوالہ سے قرآنِ مجید کا ادبی اعجاز اجاگر کیا گیا ہے کہ قرآن عربی ہی اللہ تعالیٰ کے پیغام کا بہترین ظرف ہو سکتا تھا، کیوں کہ اس زبان ہی میں وہ ادبی لطافت، صوتی آہنگ، زبان کی شرینی اور معانی کا تنوع پایا جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، جو اس ابدی وسرمدی معجزہ کا لسانی ظرف بن سکے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّا جَعَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ (الزخرف: ۳)

''ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے، تا کہ تم سمجھ لو''۔

اس آیت میں ان عرب روایات وتصورات کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہاں لڑکیوں کو اپنے لیے ننگ وعار کا باعث سمجھا جاتا تھا، اس لیے کہ وہ آپسی جھگڑوں میں اپنی بات بھی ٹھیک طرح اور واضح طور پر پیش نہیں کرسکتی تھیں (آیت: ۱۸) اور اسی سورہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے فرعونی طعنہ مذکور ہے کہ وہ تو صاف اظہار بیان بھی نہیں کرسکتا (آیت: ۵۲)۔ اس سورہ کے آغاز میں قرآنِ عربی کا تذکرہ ہے، جس سے اس کا اعجاز لسانی مؤکد ہوتا ہے اور اس سے اہل عرب کے سامنے پیش کیے گئے چیلنج کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ (الزمر: ۲۸)

''یہ قرآن عربی ایسا ہے جس میں کسی کجی والتباس کی گنجائش نہیں''۔

اس آیت میں قرآن مجید کی عربی زبان کو 'غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ' کا حوالہ بنایا گیا ہے کہ عربی زبان میں قرآن مجید کا ہونا اس کے بیانات کو غیر مبہم اور غیر منحرف بناتا ہے۔ سورۂ حم السجدہ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (حم السجدہ: ۳)

''یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے، جو عربی زبان میں اس قوم کے لیے ہے جو جانتی ہے''۔

اس آیت میں اس قوم کا تذکرہ ہے جو اپنی زبان کے معانی ومفاہیم کو سمجھنے اور اس کی باریکیوں اور اسرار واسلوب کو سمجھنے کی بہ درجۂ اتم اہلیت رکھتی ہے اور اس زبان کا حوالہ ہے جو اس قابل ہے کہ اس میں پیغامات الٰہی کی ترسیل وتفصیل ہو سکے۔

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَھَا (الشوریٰ: ۷)

''اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے، تا کہ آپؐ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو خبردار کر دیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ کَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا وَّ صَرَّفۡنَا فِیۡہِ مِنَ الۡوَعِیۡدِ لَعَلَّھُمۡ یَتَّقُوۡنَ اَوۡ یُحۡدِثُ لَھُمۡ ذِکۡرًا (طٰہٰ: ۱۱۳)

''اسی طرح ہم نے آپؐ پر عربی قرآن نازل فرمایا اور اس میں طرح طرح سے وعیدیں پیش کی ہیں، تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا آپ ان کو یاد دہانی کرا سکیں''۔

دنیائے انسانیت کو آگاہ کرنے، ڈرانے اور یاد دہانی کرانے کے لیے بھی عربی زبان میں انذار و تذکیر ہی سب سے زیادہ موزوں ہو سکتے تھے، تاکہ نبی اکرم ﷺ عربوں کی بہترین صلاحتیوں کو پیغام الٰہی کی تبلیغ میں استعمال کر سکیں۔

ان آیات پر تدبر کرنے سے متعدد حقائق کا انکشاف ہوتا ہے:

اول یہ کہ عربی زبان میں وہ اعلیٰ اوصاف پائے جاتے ہیں، جن کی وجہ سے وہ قرآن کریم کے پیغامات، اس کی تعلیمات اور اس کی حکمتوں کو بہترین طریقہ سے پیش کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔

دوم یہ کہ یہ ان لوگوں کی زبان ہے جو اپنی بعض خوبیوں کی وجہ سے تفہیم قرآنی کے لیے ہی نہیں، بلکہ ترسیل و تبلیغ قرآن کے لیے بھی موزوں ترین لوگ ہیں۔

سوم یہ کہ جس رسولِ عربی پر یہ قرآن نازل ہوا وہ تفہیم و تبلیغ کے ساتھ تعلیم و تربیت کے لیے بھی بہترین معلم ثابت ہوگا۔ چنانچہ آپؐ کے اس منصب کا قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تذکرہ ہے۔(ملاحظہ ہو: البقرۃ: ۱۵۱، ۲۹۱، آل عمران: ۱۶۴، الجمعۃ: ۲) اس آیت سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ قرآن کریم کی حکمتوں کی معرفت کا بہترین لسانی ذریعہ عربی زبان ہی ہو سکتی تھی۔

قرآن کریم انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا آخری ہدایت نامہ ہے۔ اب کوئی دوسری کتاب نہیں آنے والی ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور طریقۂ حیات اللہ تعالیٰ کی رضا کا سامان بن سکتا ہے، بلکہ قیامت تک یہی ہدایت نامہ تمام دنیائے انسانیت کی فوز و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلاح کی ضمانت دیتا ہے اور یہی کتاب قیامت تک انسانوں کے تمام مسائل کا حل فراہم کرتی ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب قرآن کریم کے تمام ہی ظروف بہ شمول اہلِ عرب، زبانِ عرب، قلبِ محمدی ﷺ اور پیروانِ محمدی ﷺ کی اعلیٰ اہلیت وصلاحیت ثابت ہو اور قرآن بدلتے ہوئے زمان و مکان میں ہر شخص کی ہدایت اور اس کے اطمینان قلب کا سامان کر سکے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس میں متنوع الجہات معانی کی گنجائش رہے، اس میں ابہام کو راہ نہ مل سکے اور وہ واضح و قطعی اور غیر مبہم شکل میں دنیائے انسانیت کو روزِ اول سے روزِ آخر تک دست یاب رہے۔

عربی مبین

اب اس حقیقت پر غور کریں کہ قرآن کریم اپنی ایک اور اضافی صفت سے متصف ہے، وہ ہے اس کا 'عربی مبین' میں ہونا۔ چنانچہ اس حقیقت کا اظہار اللہ تعالیٰ نے کئی بار کیا ہے:

"لِسَانُ الَّذِی یُلْحِدُونَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْن"
(النحل: ۱۰۳)

"اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ نسبت کر رہے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن تو صاف عربی زبان میں ہے"۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْن۔ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْن۔ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْن۔
(الشعرائ: ۱۹۳۔۱۹۵)

"(قرآن) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔ آپؐ کے قلب پر اترا ہے کہ آپ آگاہ کر دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ صاف عربی زبان میں ہے"۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید عربی زبان کے اس لغوی اسلوب میں نازل ہوا جس پر اہل عرب ناز کرتے تھے۔ اس کو قرآن کریم 'عربی مبین' اور اہل لغت 'العربیۃ الفصحیٰ' کہتے ہیں۔ یہ عرب کے دورِ جاہلیت کی ٹکسالی زبان تھی، جس پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرب کے خطباء اور شعراء معیاری کلام کو پرکھتے تھے، جس کی فصاحت و بلاغت نے اہل عرب کو صاحبِ زبان بنایا اور طلاقتِ لسانی سکھائی، جس پر وہ فخر کرتے تھے اور اپنے سوا دوسرے تمام انسانوں کو عجمی (یعنی گونگا) کہتے تھے۔ اس موضوع پر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے سابق استاذ دینیات مرحوم محمد سلیمان اشرف صاحب کی تالیف 'المبین' سے چند اقتباسات نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

"صحیفۂ کائنات کا جیسا مطالعہ عرب نے کیا آج تک ایسا صحیح اور وسیع مطالعہ دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہ ہوا" (المبین، طبع علی گڑھ، ۱۹۲۹ء ص: ۱۴۹)۔

"عربوں کی مکالمت ہو یا مراسلت، مفاخرت ہو یا خطابت، سب میں یہ رعایت بدرجۂ غایت پائی جاتی ہے کہ مختصر الفاظ میں ایک وسیع مطلب ادا کر دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کا دماغ روشن ہے، خیالات صاف ہیں، فکر اُن کی بلند اور رائے ان کی عمیق ہے، قسّامِ ازل کی طرف سے انھیں زبان ایسی ملی جس میں گھلاوٹ وحلاوت ہے، الفاظ جامع (اور کلام فصیح ہے)" (ص: ۱۵۲)۔

"عربی قدیم ترین اور کامل ترین زبان ہے۔۔۔۔ وضعِ الفاظ کا جو مستحکم اور زرّیں قاعدہ عربی میں پایا جاتا ہے اور اختلافِ حرکت اور حروفِ زائدہ کے انضمام سے اصول و ضابطہ کے اندر جس طرح کے معانیٔ گونا گوں پیدا ہوتے ہیں، نیز الفاظ کی اتنی کثرت کہ ان کا احاطہ قوتِ بشریہ سے خارج ہے، پھر اس کا یہ کمال کہ لفظ الٹ پھیر کے بعد بھی بامعنی ہی رہتا ہے، قاعدہ کی پابندی کا یہ حال کہ اعراب یعنی زبر، زیر، پیش تک کسی اصول کے تحت ہی متعین ہوتے ہیں، یہ ایسے محاسن ہیں جو کمال وقدامت دونوں کو ثابت کرتے ہیں"۔ (ص: ۱۲۴)۔

قرآن مجید کا صوتی اعجاز

آگے مولانا نے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اور اس کی یکتا صفات کے اثبات کے لیے چند مثالیں پیش کی ہیں۔ سب سے پہلے اس کے معنوی تنوع اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مترادفات کے تعلق سے یہ مثال دی ہے:

"آدمی کا بچہ جب تک شکمِ مادر میں رہے، اسے 'جَنِین' کہتے ہیں۔ پیدا ہوا تو 'وَلِید' ہے۔ سات دن تک 'صَدِیغ' ہے۔ دودھ پینے کی قابلیت قدرے بڑھی تو 'رَضِیع'۔ دودھ چھوٹا تو 'فَطِیم' ہے۔ کچھ نشوونما پایا اور شیرخوارگی کی سستی رفع ہوئی اور زمین پر کھسکنے لگا تو اس کا نام 'دارِج' ہے۔ دودھ کے دانت ٹوٹنے لگے تو 'مَثغُور'۔ دودھ کے دانت گر کر پھر نکلنے لگے تو 'مَثغَر'۔ دس برس یا اس سے کچھ زیادہ عمر کا ہوا تو 'مُتَرَعْرِع' اب بلوغ کے قریب عمر آ گئی تو 'یافِع' یا 'مُراھِق' ہے۔ بالغ ہوا، توانائی آئی تو 'حَزَوَّر' اور ان تمام مدارج پر حاوی 'غُلام' یا شارِخ' ہے۔ اب سبزہ وخط کا نمود ہوا تو 'بَاقِل' ہے۔ سبزہ بڑھ کر سیاہ خط ہوا تو 'فَتیٰ'، ہے۔ چالیس برس سے پہلے 'شَابّ' ہے۔ ساٹھ برس سے پہلے 'کَھل' ہے۔ ساٹھ برس کے بعد 'شَیخ' ہے، وغیرہ"۔ (ص:۱۵۵)

ایک دوسری مثال انسان کے قوائے صحت میں خلل اور اس کے نتیجے میں نفسیات و کیفیاتِ تنوع پر دلالت کرنے کے لیے عربی زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ کی پیش کی ہے: جب خللِ صحت سے حرج لاحق ہو تو وہ 'عَلِیل' ہے۔ علالت بڑھی تو 'سَقِیم' اور پھر آگے بڑھنے پر 'مَرِیض' ہے۔ اسی طرح مرض کی تکلیف سے مریض کراہتا ہے تو سب سے ہلکی کراہٹ 'حَنِین' اور اس سے زیادہ 'اَنِین'۔ اس کوشش میں کامیابی نہ ملنے پر 'خَنِین'۔ ضعف سے آواز بگڑنے پر 'زَفِیر' اور سانس کا نظام بگڑنے پر کراہ کی آواز کو 'شَھِیق' کہتے ہیں۔ مزید برآں 'غَم' اس حالت کا نام ہے جب کہ برداشت وتحمل ممکن ہے، لیکن اگر اس کے آثار کو چھپایا جا سکتا ہے تو 'ھَمّ' ہے۔ برداشت کے باہر ہے اور چہرہ متغیر ہو گیا تو 'کَمَد' ہے۔ اس سے بھی ترقی کر گیا تو پھر 'بَثّ' ہے۔ (اِنَّمَا اَشْکُوا بَثِّی وَحُزْنِی اِلَی اللّٰہِ۔ یوسف:۸۶) اس سے بھی آگے بڑھا اور نبض چھوٹنے لگی تو 'کَرْب' ہے (فَنَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ۔ الانبیائ:۷۶) غم کے ساتھ ندامت بھی ہے تو اس کا نام 'سَدَف' ہے اور غم کے ساتھ غصہ بھی ہے تو 'اَسَف' ہے۔ (وَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَقَالَ یٰااَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ۔ یوسف:۸۴) ہے" (ص:۱۵۶۔۱۶۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی زبان میں حروف کے مخارج اور ان کی صفات اور ان پر مبنی کلمات میں ترتیبِ حروف، نیزان کے اعراب، یہ تمام چیزیں بامعنیٰ و برمحل ہیں اور ان کے اپنے اصول ہیں۔ اس دعویٰ کے حق میں بھی ثبوت پیش کیا جائے گا۔ البتہ پہلے یہ بتا دیا جائے کہ کلمات کی ترتیب میں سب سے زیادہ ثلاثی کلمات ہیں، پھر رباعی اور سب سے کم خماسی۔ ثلاثی کلمات میں بھی ہر حرف بامعنیٰ ہے۔ مثلاً شجر اور شرف میں پہلا حرف 'شین' ہے۔ اس میں 'تفشّی' کی صفت پائی جاتی ہے، جو پھیلاؤ، وسعت یا پراگندگی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ چنانچہ ہر کلمہ، جس میں پہلا یا دوسرا حرف شین ہوگا، اس کے معنی میں پھیلاؤ، وسعت یا پراگندگی کہیں نہ کہیں ضرور پائی جائے گی۔ مثلاً 'شباب' یعنی جوانی، جس میں جذبات بڑھ جاتے ہیں اور پراگندگی کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ 'شبر' یعنی بالشت، جس میں ہتھیلی اور انگلیاں کھنچ جاتی ہیں۔ 'شجر' یعنی درخت، جس میں برگ و بار کا پھیلاؤ نمایاں ہے۔ 'شر' یعنی برائی، جس میں انتشار و پراگندگی عیاں ہے۔ 'شرف' یعنی بزرگی، جس میں وسعت و احاطہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ 'شرع' یعنی قانون الٰہی، جس میں ہمہ گیری مسلّم ہے۔ (ص: ۱۸)

دوسری مثال لفظ 'سلم' کی ہے۔ یہ تین حروف پر مشتمل ہے: س، ل، م۔ ان حروف کی ادائیگی زبان سے آسانی سے ہو جاتی ہے اور منہ کم کھلتا ہے۔ لہٰذا ان حروف سے ترکیب پانے والے تمام کلمات میں سلامتی اور نرمی کے معنی مشترک ہوں گے۔ مثلاً سلام: سلامتی کی دعا۔ 'سُلَّمْ' یعنی سیڑھی، جس میں بلندی اور پستی کے درمیان سلامتی سے آتے جاتے ہیں۔ 'سِلْم' یعنی صُلح و آشتی۔ 'سَلَم' یعنی قیمت پہلے دے کر نرخ محفوظ کر لینا۔ وغیرہ۔ یہ تو س۔ ل۔م کی سیدھی ترتیب میں معنویت کا معاملہ تھا۔ حرف کی ترتیب بدل جائے تو بھی معنویت برقرار رہتی ہے۔ 'سَمَل' یعنی پرانا کپڑا، جس میں کہنگی سے نرمی آجاتی ہے۔ 'لمس': چھونا، 'لَسَمَ' یعنی گفتگو میں خاموش ہوجانا۔ 'مَلَسَ' یعنی نرم ہونا۔ اسی سے ملاست ہے، 'مَسَلَ' یعنی پانی کا جاری ہوجانا۔ یہ تمام کلمات اپنے اندر نرمی اور سلامتی کو کسی نہ کسی طرح سموئے ہوئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الفاظ کا صوتی آہنگ ان کے معانی پر دلالت کرتا ہے، اس کو اس مثال سے سمجھیں کہ 'عَسَل' شہد کو کہتے ہیں اور اس کا الٹ 'لَسعَ' ہے جس کی ادائیگی میں قدرے جبر و مشقت ہے۔ لہٰذا اگر 'عَسل' یعنی شہد شیریں اور فرحت بخش ہوتا ہے تو 'لَسع' یعنی کسی چیز کا ڈنک تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اگر 'نحل' شہد کی مکھی ہے تو 'لحن' بھنبھناہٹ اور آواز ہے۔ یا مثلاً غیظ اور غضب ان دونوں کلمات میں تینوں حروف مجہورہ ہیں، جن کی بنیادی صفت صوتی بلندی ہے۔ چنانچہ غیظ و غضب میں آواز میں بلندی کا ہونا فطری ہے۔

اب اگر کوئی کلمہ ایسا ہو جس میں ہر حرف کی صفت یکساں ہو اور اس کا مخرج اس طرح ارتقا کرے کہ حلق سے تالو، پھر ہونٹ تک پہنچ کر کلمہ ختم ہو جائے تو ایسے کلمہ میں معانی کی گہرائیاں شباب پر ہوں گی۔ مثال کے طور پر لفظ 'علم' تینوں حروف ع، ل اور م مجہورہ، متوسّطہ، مستفلّہ اور منفتحہ ہیں۔ آواز حلق سے 'ع' کو ظاہر کر کے تالو کی طرف آتی ہے اور 'ل' کو ادا کرتی ہوئی 'م' کو ہونٹوں سے اس طرح ادا کراتی ہے کہ یہاں پہنچ کر کلمہ ہی ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ آواز بھی بند ہو جاتی ہے، اسی لیے کلمۂ علم میں معرفت کی گہرائیاں پائی جاتی ہیں۔

شب قدر ۔ قرآن مجید کا زمانی ظرف

قرآن مجید کی تنزیل کا دوسرا ظرف، جسے ظرف زمانی کہا جا سکتا ہے، وہ بعثت محمدی ﷺ کے بعد ماہ رمضان میں آنے والی ایک خصوصی رات یعنی شب قدر ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں تین مقامات پر نزول قرآن کے زمانے کا تذکرہ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیهِ الْقُرْاٰن (البقرۃ: ۱۸۵)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے۔''

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِی لَیْلَةٍ مبارَکة۔ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ فِیهَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمرٍ حَکِیم۔ اَمرًا مِن عِنْدِنا۔ اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ۔ (الدخان: ۱۔۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ہم نے اسے (یعنی قرآن کو) مبارک رات میں نازل کیا ہے (کیوں کہ) ہم خبردار کرنا چاہتے تھے۔ اسی رات میں ہر اہم کام کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے"۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ۔ (القدر: ۱)

"ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا"۔

سورۂ بقرہ کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کو سب سے زیادہ فضیلت والے ماہ رمضان المبارک میں نازل کیا گیا ہے۔ سورۂ دخان کی ابتدائی آیات میں نزول قرآن کو لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (مبارک رات) کہا گیا ہے اور اس کی تفصیل وتشریح اس طرح کی گئی ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہم امور کا حکیمانہ فیصلہ کیا جاتا ہے اور رسالت کا فیصلہ اہم امور میں سے ہے، جس کے لیے اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر قرآن نازل کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ سورۂ قدر تو پوری ہی اس نعمتِ عظمیٰ اور اس ظرفِ زمانی کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ شبِ قدر کی قدر و قیمت اور فضیلت کا تمھیں کیا ادراک ہوسکتا ہے۔ وہ تو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ کیوں کہ اس رات میں ملکوتی مخلوق اپنے رب کے اذن سے سلامتی کے فیصلے لے کر اترتی ہے۔

قلب محمد ﷺ

قرآن مجید کی تنزیل کا تیسرا ظرف 'قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم' ہے۔ اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں ایک سے زائد بار آیا ہے:

قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِيۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَهُدًى وَّبُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔ (البقرۃ: ۹۷)۔

"اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ جو جبریل کا دشمن ہو (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) اس نے آپ کے قلب پر اللہ کا پیغام اس کے اذن سے اتارا ہے، جو اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور مومنوں کو ہدایت اور خوش خبری دینے والا ہے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ۔ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ۔

(الشعرائ:۱۹۲۔۱۹۵)

''بلا شبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، یہ آپ کے دل پر اترا ہے کہ آپ آگاہ کرد ینے والوں میں سے ہو جائیں۔ (لہٰذا) صاف عربی زبان میں ہے''۔

ان دونوں مقامات پر قرآن مجید کے دو حقیقی معنوی ظروف کا بڑا اہتمام سے ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس ملکوتی ظرف یعنی جبرئیل علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے اس بشری حقیقی ظرف یعنی قلب محمد پر قرآن نازل ہونے کی خبر دی گئی ہے اور اس کے اہل ایمان کے لیے ہدایت اور بشارت ہونے پر عقلی دلیل فراہم کی گئی ہے۔ سورہ شعراء میں نزولِ قرآن کا ملکوتی واسطہ حضرت جبرئیلؑ کو بتایا گیا ہے، جن کے ذریعہ حضرت محمد ﷺ کے قلب پر اس کی وحی کی گئی، تاکہ آپ لوگوں کو عربی مبین میں ان کے احوال وانجام سے آگاہ کردیں۔

قلبِ محمد ﷺ کی رفعت اور پاکیزگی کی گواہی قرآن مجید نے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ'' آپ اخلاق کے بلند ترین درجہ پر فائز ہیں'' (القلم:۵) آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ'' اس کی رحمت سے آپؐ اپنے ساتھیوں کے لیے نرم دل واقع ہوئے ہیں۔ اگر آپ بدزبان اور شقیق القلب ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے'' (آل عمران:۱۵۹) آپ کے بارے میں بتایا گیا کہ اپنی قوم کی پریشانی ومضرت آپؐ پر شاق گزرتی ہے اور آپؐ ان کی ہدایت ومنفعت اور خیر خواہی کے حریص ہیں'' (البقرۃ:۱۲۸) ان کی ہدایت کے لیے آپ اتنے پریشان رہتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے ان کے پیچھے آپ اپنی جان ہلاک کرڈالیں گے۔ (الکھف:۶) نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوش خبری سنائی کہ'' ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا'' (الانشراح:۴) اگر یہ کہا جائے کہ حضرت محمد ﷺ کے قلبِ سلیم اور خلقِ عظیم پر پورا قرآن اور اس کا ہر صفحہ گواہی دے رہا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک اس ملکوتی پیغام بر حضرت جبرئیل کا معاملہ ہے، ان کے عُلُوِّ مرتبت کے بارے میں بھی قرآن مجید میں بہت سے اشارے کیے گئے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ۔ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ۔ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ (التکویر ۱۹۔۲۱) ''یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے، جو قوت والا ہے، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے، جس کی آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے اور جو امین ہے''۔

اہلِ عرب کے امتیازی اوصاف

قرآن کریم کا نزول جس قوم کے درمیان ہوا وہ بھی بڑی خوبیوں کی مالک تھی۔ انھیں قرآن میں 'اُمّیین' کہا گیا ہے، یعنی ان کے دماغ دنیوی علوم سے بوجھل اور ان کی خرابیوں سے آلودہ نہیں ہوئے تھے، بلکہ وہ بالکل سادہ لوح تھے، جس کی وجہ سے قرآن مجید کے ہر کلمہ کا نقش ان کے دلوں پر کندہ ہو گیا تھا۔ ان کا حافظہ بھی بہت قوی تھا، چنانچہ وہ انسان تو انسان، گھوڑوں اور اونٹوں تک کے سلسلہ ہائے نسب کو یاد رکھتے تھے۔ مزید برآں انھوں نے فطرت کی آغوش میں پرورش پائی تھی۔ وہ لوگ ہر وقت کائنات کی کھلی کتاب کا مطالعہ کرنے کے عادی تھے۔ انھوں نے آیاتِ الٰہی کو اپنی زندگی سے مربوط کر رکھا تھا اور آثارِ کائنات اور علامتوں (Signs) سے سبق سیکھنے کے گُر سے واقف تھے۔ وہ لوگ، اللہ، فرشتوں اور عالمِ غیب پر ایک حد تک پہلے ہی سے یقین رکھتے تھے، لہٰذا ان کے لیے یہ اصطلاحیں اور حقائق عجوبہ نہیں تھے۔ یہ لوگ صحرا کے رہنے والے تھے، جہاں موسم کی سختی بھی ہوتی ہے اور پھل وسبزیوں اور اناج کی قلّت بھی، لہٰذا جفاکشی ان کی بنیادی صفت تھی اور چوں کہ وہ تہذیب وتمدن سے دور ایک قبائلی زندگی گزار رہے تھے، اس لیے اگر ان میں بدویانہ زندگی کی کچھ خرابیاں موجود تھیں تو بہت سی خوبیاں بھی پائی جاتی تھیں، مثلاً وہ صاف گو، بات کے دھنی اور بڑے مہمان نواز تھے۔ ان کی بعض روایتیں ایسی تھیں جو متمدن دنیا کو آج بھی شرما دیں، مثلاً اگر وہ کسی شخص کو پناہ دے دیتے تھے تو اس کو بچانے کے لیے اپنی جان تک قربان کر د

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے تھے، چاہے وہ ان کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ یہ تاریخ کا واقعہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے طائف کی واپسی پر ایک مشرک سردار سے پناہ طلب کی تو اس نے آپ ؐ کو نہ صرف پناہ دی، بلکہ آپؐ کی حفاظت کا بھی پورا انتظام کیا اور جب تک آپؐ اس سردار کی پناہ میں رہے، کسی دشمن نے آپؐ سے کسی قسم کے معاندانہ رویے کا اظہار نہیں کیا۔

آج سے چودہ سو سال پہلے تمدن سے دور اہل عرب اللہ کی صنعت و کاری گری کا اس کے شایان شان شکرادا کرنے کے اہل تھے، کیوں کہ اس وقت انسانی صنعت کا دور دورہ نہیں ہوا تھا، لہٰذا انسانی خدمت و رفاہیت میں خدائی مخلوق کا رول اور اس کے پیچھے اللہ کی کارسازی آسانی سے ان کی سمجھ میں آجاتی تھی۔ ان کی روزمرہ زندگی میں گھوڑوں، اونٹوں، گایوں، بکریوں اور بھیڑوں کے استعمال سے کھانا، لباس، سواری اور مکان کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوجاتی تھیں۔ اس صورت حال نے ان کو تجارت پیشہ بننے پر مجبور کیا تھا، کیوں کہ بنجر زمین میں کاشت نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن ان کی یہی مجبوری تجارت میں طلاقتِ لسانی کو نشو و نما دینے اور ترسیلِ پیغام ربانی کو بہ حسن و خوبی انجام دینے میں معاون ہوئی اور تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ اقصائے عالم میں عرب تاجروں کے ذریعہ پھیلایا گیا دین آج عالمِ اسلام کی نصف سے زیادہ آبادی پر محیط ہے۔ برصغیر ہند و پاک ہو یا انڈونیشیا و ملیشیا، عراق و یمن ہو یا مصر و شام، ان تمام ملکوں میں اشاعتِ اسلام میں عرب تاجروں کا نمایاں کردار بھلایا نہیں جا سکتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ تہذیب و تمدن سے ناآشنا ان صحرائیوں نے دنیا کو حقیقی تہذیب و تمدن سے آشنا کیا۔ ان 'امیوں' نے علم و معرفت کے وہ خزانے لٹائے کہ دنیا نے ان کو اپنا استاذ تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا۔

جزیرۃ العرب کا مخصوص جغرافیہ

جزیرۃ العرب کے مخصوص جغرافیہ پر نظر ڈالیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کاملہ کی تنزیل کے لیے اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ خطہ تین طرف سے سمندر سے گھرا ہوا ہے اور ایک طرف خشکی ہے۔ اس خشکی کا حال یہ ہے کہ اس میں یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو بنجر زمین ہے، یا غار و پہاڑ یا ریگستان۔ وہاں کوئی رہنا تک پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے طویل مدتی منصوبہ کے تحت آج سے ساڑھے چار ہزار برس قبل اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی اور اس کے شیر خوار بچے کو عرب کے اس صحرا میں، جہاں آج کل مکہ مکرمہ بسا ہے، چھوڑ آئیں۔ پھر رب کریم نے چاہا کہ وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے وہاں پانی کا ایسا انتظام کرے کہ نہ صرف مکۂ مکرمہ اور اس کے گرد نواح کو بہترین اور وافر مقدار میں پانی ملتا رہے، بلکہ دنیا کے چپے چپے میں وہاں کا پانی جایا کرے، جب کہ اُس وقت وہاں کا حال یہ تھا کہ پیاس بجھانے کے لیے بھی پانی کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا۔ پھر وہ خدائی منصوبہ اس طرح انجام پذیر ہوا کہ وہاں ایک قافلہ آ کر ٹھہر جائے اور زمزم کے کنویں کے قریب بود و باش اختیار کرلے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحب زادے اسماعیلؑ کو بیت اللہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح بیت اللہ کی برکت سے وہ ساری خوبیاں اس خطۂ عرب اور اس کے باشندوں میں نشوونما پائیں، جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے اس طویل مدتی منصوبہ کے مطابق انجام پایا، جو مشیت خداوندی کے تحت کروڑوں سال قبل طے پا چکا تھا۔ قرآن مجید کے نزول کے لیے ان سارے ظروفِ زمانی و مکانی اور ظروفِ حقیقی و معنوی کو بروئے کار لانے کا پورا منصوبہ اس علیم و قدیر رب العالمین کے نظامِ مشیت کا حصہ تھا جن کو وہ اپنے نظامِ رضا اور نظامِ شریعت سے ہم آہنگ کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے جریزۃ العرب کو اپنے زندۂ جاوید معجزہ کے نزول کے قابل بنایا، اہل عرب میں ہدایتِ کاملہ کے حمل و اخذ کی صلاحیت بخشی اور ان کو ترسیلِ ہدایت کا بے مثال کارندہ بنایا، ان کو ایسی زبان بخشی جس پر وہ فخر کرنے لگے، ان کو قرآن مجید کا حامل ایسا نبی دیا جس کو اپنے اور غیر، آج بھی دنیا کا بہترین اور بے مثال مذہبی رہ نما، حکم راں، انقلابی، مصلح، سپہ سالار اور دلوں پر حکومت کرنے والا قائد تسلیم کرتے ہیں۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com